(غلام گردش)

یہ، امجد ثاقب کون ہے؟

امجد ثاقب سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی تھی۔ اچھی طرح یاد نہیں۔ ہلکا سا خاکہ ذہن میں ضرور آتا ہے۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کی کینٹین کے تقریباً سامنے۔ امجد اپنی موٹر سائیکل پر اکثر نظر آتا تھا۔ مجھ سے ایک یا شائد دو سال سینئر۔ 1979 کی بات ہے۔ پچھلی صدی کی۔ ویسے گزشتہ صدی کے لفظ کے علاوہ کیا لکھوں۔ واقعی میرے تمام ہم عمر پچھلی صدی کی مخلوق ہیں۔ اپنے آپکو اتنا قدیم کہنا عجیب سا لگتا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ امجد سے میڈیکل کالج میں کم ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ شناسائی ضرور تھی۔ چند مشترکہ دوستوں سے اکثر ذکر سننے کو ملتا تھا۔ یہ شخص، حد درجہ خاموش طبع طالبعلم تھا۔ نوجوانی ہی سے سینے کے اندر ایک طوفان سمیٹ کر سانس لے رہا تھا۔ میڈیکل کالج میں بطور طالبعلم، میں معدودے چند لوگوں میں سے تھا۔ جنہوں نے ڈاکٹر طبقہ میں سی ایس ایس کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ 1984 میں، میڈیکل کالج چھوڑ کر سول سروس میں آ گیا۔ ویسے میڈیکل کالج آج بھی میرے ذہن میں بالکل زندہ ہے۔ دو سال بعد معلوم ہوا کہ امجد نے بھی سی ایس ایس کر کے سول سروس میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ اس فیصلے پر قطعاً حیرت نہیں ہوئی۔ اسلیے کہ امجد واقعی طب کے میدان میں کچھ سنجیدہ نظر نہیں آتا تھا۔ قدرت، اس وقت اسکے ذہن اور فکر کو کسی اور طرح ترتیب دے رہی تھی اور ہم سب اس سے بے خبر تھے۔ شائد امجد بھی لاعلم تھا۔ مقدر کی لہریں انتہائی نایاب اور عجیب ہوتی ہیں۔ انسان کافی حد تک اپنے مستقبل سے اجنبی سا رہتا ہے۔ وہ تو صرف محنت کر سکتا ہے۔

یاد آیا کہ امجد، اسسٹنٹ کمشنر چینیوٹ لگ گیا تھا۔ اس وقت ہم سارے فیلڈ میں تھے۔ میں گوجرہ میں اے سی تھا۔ ایک دن چینیوٹ سے ایک دوست کا فون آیا کہ ہمارا نیا اے سی تو بہت اچھا انسان ہے اور حد درجہ تخلیقی ذہن کا مالک ہے۔ بتانے لگا کہ چینیوٹ میں ایک تاریخی عمارت ہے۔ جس پر آج تک کسی نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ نئے اے سی صاحب نے وسائل اکٹھے کیے۔ اس پرانی سی بلڈنگ کو اسکی اصل حالت میں بحال کر دیا۔ انتہائی خوبصورت محل۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آنے لگے۔ میرے لیے ایک خوشگوار خبر تھی کہ امجد ثاقب وہ تخلیقی کام کر رہا ہے، جس پر ضلعی انتظامیہ کے بابو بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ اسکی شخصیت کا یہ انداز میرے لیے بالکل نیا اور حیران کن تھا۔ ماضی میں ایک نکتہ سمجھنے میں بالکل قاصر رہا کہ آہستہ آہستہ امجد، روایتی زندگی سے نکل کر اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دیگا کہ دنیا اسکی مثالیں دیگی۔ کسی کو بھی امجد کے اندر، خدمت اور ہمت کے سمندر کی شدت کا اندازہ نہیں تھا۔ کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ امجد نے سول سروس سے استعفیٰ دیدیا ہے۔ دو تین بار بات ہوئی تھی۔ مگر امجد نے کم از کم مجھ سے اسطرح کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ امجد، ہر ایک کو حیرت زدہ کر رہا تھا۔ نوجوانی میں سول سروس سے استعفیٰ بہت کم سننے میں آیا تھا۔ اس ملک میں تو لوگ افسری حاصل کرنے کیلئے کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ مگر اس مردِ عجیب نے بالکل متضاد حرکت کی۔ سول سروس کو چھوڑنے کا فیصلہ ہرگز ہرگز آسان نہیں تھا۔ یہ انتہائی مضبوط اعصاب کا آدمی ہی کر سکتا ہے۔ یا ایک ایسا درویش جسے خدا نے توکل کی دولت سے مالا مال کیا ہو۔ بہرحال امجد نے وہ فیصلہ کیا، جو میں نہ کر پایا۔ بارہا سوچا کہ نوکری سے جان چھڑوالوں، مگر اتنی ہمت نہ کر سکا۔ اسکے بعد، امجد گم سا ہو گیا۔ رابطہ کم ہو گیا۔

مگر ابھی وہ مقام آنا تھا، جہاں پہنچ کر امجد ثاقب نے تمام لوگوں کو ششدر کرنا تھا۔ ''اخوت'' نام کا ایک ادارہ بنالیا۔ شروع شروع میں کسی نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔ بھلا افسروں کا غریب لوگوں کو قرضِ حسنہ دینے جیسے نیک کام سے کیا واسطہ۔ ہماری اکثریت تو لوگوں کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتی ہے۔ امجد نے بڑے چھوٹے پیمانے پر غریب اور مستحق لوگوں کو قرض دینے کی سہولت کا آغاز کیا۔ یہ بذاتِ خود، ایک منفرد اور بڑا کام تھا۔ ایک ایسا انقلابی قدم، جس سے لوگوں کا مستقبل سنور جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ امجد نے اخوت کے کام کو جنون اور محبت سے پورے ملک میں پھیلا دیا اور آج وہ پوری دنیا میں کام کر رہا ہے۔ ٹھیک دو ہفتے پہلے، امجد کا فون آیا کہ اتوار کو قصور آ کر اخوت کے زیرِ اثر قائم یونیورسٹی میں ایک تقریب ہے، ضرور آنا ہے۔ سماجی تقریبوں سے دور رہتا ہوں۔ اسلیے کہ اکثر لوگ جو عامیانہ گفتگو فرماتے ہیں، وہ میرے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ چالیس پچاس برس پہلے کے لطیفے سناتے ہیں اور پھر آپکو مجبوراً یا تکلفاً ہنسنا پڑتا ہے۔ سرکاری بابوؤں کی سماجی تقریب حد درجہ عجیب سی ہوتی ہے۔ ہر انسان، دوسرے سے بہت خوشدلی سے ہاتھ ملاتا ہے۔ بلکہ بغلگیر ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ بھلا آدمی تھوڑا سا دور ہوتا ہے۔ تو اسکی اتنی برائی کیجاتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ کئی سینئر اور جونیئر افسروں کو جانتا ہوں جو کماتے ہی اپنی زبان کے شر سے ہیں۔ میرا تقاریب میں نہ جانے کا فیصلہ کم ازکم میرے لیے کافی سکون کا باعث ہے۔ امجد کو بتایا کہ اتوار کو کالم لکھتا ہوں، لہذا آنا مشکل ہے۔ مگر اس محبت سے اصرار کیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کر پایا۔ کالم ہفتہ کی شب کو کافی دیر تک جاگ کر لکھا اور اتوار کو قصور میں قائم اخوت یونیورسٹی پہنچ گیا۔ نہر کے بالکل ساتھ۔ اندر داخل ہوا تو ایک جہانِ حیرت سامنے تھا۔ شاندار عمارت اور اس سے بھی شاندار طلباء۔ گیٹ کے اندر داخل ہوا۔ امجد سے ملاقات ہوئی۔ تو کہا کہ یونیورسٹی کو جا کر خود دیکھ لو۔ انتہائی اعلیٰ انتظام کر رکھا تھا۔ قطار میں طلباء کھڑے ہوئے تھے۔ اپنا تعارف کرواتے تھے۔ پھر عمارت کا دورہ تھا۔ پاکستان کے پسماندہ ترین علاقوں سے آئے ہوئے بچے۔ کوئی گلگت سے، تو کوئی کشمیر سے، کوئی راجن پور سے تھا تو کوئی بنیر سے۔ یعنی یہ ایک ایسا گلدستہ تھا جس میں ملک کے ہر حصے کے پھول شامل تھے۔ صاف ستھرے لباس میں ملبوس، پاک و چوبند نوجوان۔ عمارت دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔ کمال ترتیب سے ہوسٹل، میس اور دیگر سہولتیں دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ یہاں ایک بہت منفرد بات عرض کروں۔ اس محیر العقول تعلیمی ادارے میں طلباء سے کوئی فیس نہیں لیجاتی۔ یہ دنیا کا واحد ادارہ ہے جس میں تعلیم مکمل طور پر مفت ہے۔ اسکی وجہ لوگوں کے وہ عطیات ہیں، جو امجد ثاقب کی بہترین ساکھ کی بدولت موصول ہوتے ہیں۔ یہ ایک علمی کارنامہ ہے جسے ضرور دیکھنا چاہیے اور اس میں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔

امجد ثاقب نے اس تقریب کے دوران کافی باتیں بتائیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ''اخوت'' دنیا میں مائیکروفائنسنگ کا سب سے بڑا ادارہ بن چکا ہے اور ڈیڑھ سو ارب روپے سے زیادہ قرضِ حسنہ دے رہا ہے۔ یعنی غریبوں کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کا عظیم کام خوبی سے سرانجام دے رہا ہے۔ خدا، امجد کو اسکی جزا دیگا۔ بتانے لگا کہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسی تعلیمی درسگاہ بنائی جائے جہاں تعلیم کے نام پر تجارت نہ ہو۔ مستحق اور کمزور طبقے سے بچوں کو مفت تعلیم دیکر پیچھے رہ جانے والے لوگوں کی حالت بہتر کی جائے۔ جب کروڑوں کی رقم کا معاملہ سامنے آیا۔ تو ایک غیر معمولی فیصلہ کیا۔ جمع تقسیم کے بعد، نتیجہ اَخذ کیا اگر ایک اینٹ لگانے کی رقم ایک ہزار کر دی جائے تو یونیورسٹی بن سکتی ہے۔ چنانچہ اب، ایک ہزار کی ایک اینٹ لگانے کیلئے عطیات جمع ہونے شروع ہو گئے۔ امجد نے ذکر کیا کہ ڈیرہ غازی خان سے فون

آیا۔ایک ضعیف خاتون بول رہی تھی۔ کہنے لگی کہ اسکی اولاد جوان ہے۔اپنے اپنے خاندانوں میں زندگی گزار رہی ہے۔اسکے خاندان کا کوئی بھی فرد، کبھی بھی اس یونیورسٹی سے استفادہ نہیں اُٹھا پائیگا۔مگر وہ آدھی اینٹ عطیہ کرنا چاہتی ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ مالی تنگی کی وجہ سے صرف پانچ سو روپے دے سکتی ہے۔اسکے ان پیسوں سے دیوار میں آدھی اینٹ لگادی جائے۔ڈیرہ غازی خان سے آنے والا یہ ایک متبرک تحفہ تھا۔جذبہ ملاحظہ فرمایئے۔ایک مفلوک الحال عورت، جسکے پاس ایک ہزار روپے تک نہیں، کتنے بڑے دل کی مالک تھی۔امجد کے نیک کام میں ہمت سے شامل ہونا چاہتی تھی۔اس دن، بہت سے نئے انکشافات ہوئے۔ پہلا یہ کہ یونیورسٹی میں کسی بھی مذہبی تفریق کے بغیر داخلے ہوتے ہیں۔آپ غیر مسلم ہیں یا مسلمان ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔یہ مذہبی رواداری کی ایک نایاب مثال ہے۔وہ ملک، جہاں فرقہ پرستی، شدت پسندی اور منافقت کے ڈیرے ہیں وہاں ایک ایسی درسگاہ بھی ہے۔ جہاں مذہب کی تخصیص کے بغیر تعلیم دیجاتی ہے۔بخدا یہ ہوا کا ایک خوشبودار جھونکا ہے۔تعصب سے بغیر سوچ حد درجہ قوی ہوتی ہے اور غیر متعصب فیصلے ہی اداروں کو عظیم بناتے ہیں۔اخوت یونیورسٹی نے یہ بھائی پتھر بھی اُٹھا کر دکھایا ہے۔اسکا سہرا بھی امجد ثاقب ہی کو جاتا ہے۔

امجد ثاقب، اخوت یونیورسٹی اور ان تمام کاموں کیلئے کالم نہیں، بلکہ متعدد دیوان درکار ہیں۔صرف پچیس سال کے قلیل عرصے میں اس ہمت والے انسان نے وہ کچھ کر ڈالا، جو لوگ کئی زندگیاں پانے پر بھی نہیں کر پاتے۔اس جہان میں تو امجد ثاقب سرخرو ہی ہے۔اگلے جہان میں بھی یقیناً خدا کی رحمت کا روادار ہوگا۔کمال انسان ہے۔ایک زندگی میں کیا کیا کارنامے سرانجام دے رہا ہے۔جتنا اسکے متعلق سوچتا ہوں۔اتنا ہی حیران ہوتا ہوں۔کہ بالاخر یہ بندہ کون ہے۔اس امجد ثاقب کو تو میں بالکل نہیں جانتا۔لازوال انسان، صحرا کی تپتی ریت میں ٹھنڈے پانی کا چشمہ۔میرا اپنے آپ سے سوال ہے کہ یہ امجد ثاقب کون ہے؟ ایک برگد کا درخت جسکی چھاؤں سب کیلئے یکساں ہے۔ہمارے ملک کی نیک نام پہچان!

راؤ منظر حیات